پروفیسر ڈاکٹر حسن محمد خان

موازنہ۔ مومن و غالب

Abstract: - *In this article the analysis of the art of these two great poets, Ghalib and Momin, has been presented. And a comparative study and uncovered beauty of their work have also been highlighted.*

مومن خان مومن اور مرزا غالب کا شمار اردو کے کلاسیکل شعراء میں ہوتا ہے۔ دونوں اپنے عہد کے بڑے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ہم عصر بھی ہیں۔ دونوں کا کلام پڑھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے کہ دونوں میں فوقیت کس کو دی جائے۔ تخیل کی بلند پروازی، جدت، طبع ندرت خیال اور ندرتِ بیان میں دونوں کا جواب نہیں۔ جو خوبیاں مومن کے کلام کا طرۂ امتیاز ہیں وہی اوصاف جب غالب کے کلام میں ملتے ہیں تو ایک قاری کی زبان سے دونوں کیلئے واہ واہ ہی نکلتی ہے۔

ہم عصر ہونے کی وجہ سے دونوں کے کلام میں بعض قافیے، ردیف بلکہ بحریں بھی ایک جیسی ہیں اور یہ اندازہ نہیں ہو پاتا کہ خیال پہلے کس نے باندھا۔

غالب کے ہاں یہ خوبی اکثر و بیشتر اشعار میں ملتی ہے کہ وہ دو مصرعوں کے درمیان ایک (Gape) خلا چھوڑ دیتے ہیں جو قاری کو خود پُر کرنا ہوتا ہے اور جب تک وہ خلا یا گیپ پُر نہ ہوگا شعر کا لطف اور مزہ دوبالا نہ ہوگا۔ مثلاً اس مشہور غزل کا یہ مطلع دیکھئے۔

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

تو دوسرے مصرعہ میں لفظ ''آخر'' ہی اس بات کا اشارہ ہے کہ پہلے کچھ کہا گیا ہے۔ غور کیجئے پہلے

مصرعہ میں دل سے سوال کیا گیا کہ تجھے کیا ہوا ہے۔ جوابِ دل موصول ہوا کہ۔۔۔۔۔۔۔عشق ہوگیا ہے۔ چنانچہ پھر سوال ہوا کہ ''آخر'' اس مرض کی دوا کیا ہے؟ جواباً دل کا جواب یہی ہے کہ مرض عشق لا دوا ہے

ع درد کی دوا پائی ، درد لا دوا پایا

اس عمل سے شعر میں ایک خاص لطف پیدا ہو جاتا ہے۔ مومنؔ کے ہاں بھی یہ وصف بدرجہ اتم ہے۔ مثلاً مرزا غالبؔ کہتے ہیں۔

؎ عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

یا

؎ عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی درد لا دوا پایا

اس عشق کی کیفیت کو مومنؔ نے لا دوا کہہ کر شعر کو لازوال بنا دیا۔

؎ وصل میں احتمالِ شادئ مرگ
چارہ گر ، دردِ لا دوا ہے عشق

باوجود اس کے کہ دونوں شعراء میں استادانہ خوبیاں ہیں۔ مگر پھر بھی دونوں کی راہیں جدا ہیں۔ دونوں کی رنگ طبیعت میں بڑا اختلاف ہے۔ غالبؔ آزاد مزاج، مومنؔ عاشق مزاج۔

غالبؔ غم والم کی کیفیت کو کیفِ شراب سے دور کرنے والا مگر مومنؔ الفت و محبت کی مضبوط زنجیروں میں جکڑا ہوا۔ غالبؔ زخم خوردہ مگر مرہم کی جستجو سے بے پرواہ۔ مومنؔ حسن پر جان دینے والا، زمانے کے رنج و الم سے اثر لینے والا۔

غالبؔ فاقہ مست مگر مزاج شاہانہ، مومنؔ شاہ عبدالعزیز کے حلقۂ ارادت میں بیٹھنے والا غالبؔ

امرائے عصر کا ثنا گو۔ مومنؔ رؤساء کی صحبت سے محترز بلکہ نظر استحقاء ڈالنے والا ایسی صورت میں ظاہر ہے کلام پر بھی جدا جدا رنگ نمایاں ہوگا۔ دیکھنے میں تو غالبؔ اور مومنؔ کے ہاں تشبیہات و استعارات، رنگ بلاغت، طرز فصاحت اور انداز بیان و محاکات مشترک ملیں گی مگر حقیقت شناس نگاہیں ان کا فرق بخوبی دیکھ لیں گی۔ ہر چند کہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری نے مرزا کے دیوان کو ''الہامی کتاب'' قرار دیا۔ مگر خود غالبؔ نے مومنؔ کے اس ایک شعر پر کہ:

؎ تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

اپنا پورا دیوان دینے کی خواہش ظاہر کر کے اپنی وسعت قلبی کے ساتھ ساتھ اپنے اردو کلام کی کم مائیگی کا اقرار بھی کر لیا نیز اردو کلام کے بارے میں ان کا ''بے رنگ فن است'' کہنا بھی اس بات کی تصدیق ہے کہ مومنؔ کسی طور غالبؔ سے کم تر شاعر نہیں۔ مگر کتنی عجیب بات ہے کہ مرزا کی وہی اردو شاعری ان کی شہرت کا سبب بنی اور ''نقش ہائے رنگ رنگ'' والا فارسی کلام لوگوں کے دلوں کو نہ گرما سکا اور نہ ذہنوں میں محفوظ رہ سکا۔ تاہم غالبؔ کی ہنگامہ خیز طبیعت نے اس دنیا کے واقعات، تجربات اور مشاہدات کو اس طرح محسوس کیا کہ وہ بجائے خود ایک محشر خیال بن گئے۔ کہ اس کی تاب لانے کی بجائے دل سے ہاتھ دھونے کو آسان سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ:

؎ ہاتھ دھو دل سے ، یہی گرمی گر اندیشہ میں ہے
آبگینہ تندئ صہبا سے پگھلا جائے ہے

برعکس اس کے مومنؔ باوجود ہم عصر ہونے کے ان کی زندگی میں وہ وسعت خیالی نہیں، فلسفیانہ رجحان نہیں تصوف کی آمیزش نہیں ان کی غزل عاشق، محبوب اور رقیب کے مثلث میں محصور ہو کر رہ گئی ہے جبکہ غالبؔ کا شعری کینوس پوری زندگی پر پھیلا ہوا ہے۔ اور وہ دنیا کو محض ایک ''بازیچۂ اطفال'' سمجھتے ہیں۔

اب ذرا اشعار کے آئینے میں غالبؔ اور مومن کی طبیعتوں اور مزاج کا فرق محسوس کیجئے۔

غالبؔ ہم کو ستم عزیز ، ستم گر کو ہم عزیز
نامہرباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں

مومنؔ اظہارِ دوستی کی خوشی کیا شبِ وصال
دشمن سے سن چکا ہوں کہ تو مہرباں نہیں

غالبؔ یہ جانتے ہوئے کہ محبوب مہرباں نہیں مصلحت کوشی اور آدابِ عشق کے پیش نظر دل کو سمجھا لیتے ہیں۔مگر مومنؔ صاف صاف کہتا ہے کہ دوستی جتلانے کا کیا فائدہ ہم کومعلوم ہے کہ تو مہربان نہیں۔

غالبؔ ہر چند جاں گدازیٔ قہر و عتاب ہے،
ہر چند پشتِ گرمیٔ تاب و تواں نہیں
جاں مضطرب ترانہء ھل من مزید ہے،
لب پردہ سنجِ زمزمۂ الاماں نہیں،

مومنؔ ہر ذرہ میری خاک کا برباد ہو چکا،
بس اے خرامِ نازکہ تاب و تواں نہیں۔

دونوں کی طبیعتوں کا رنگ عیاں ہے۔مرزاؔ بڑے سخت کوش عاشق کہ ستم پر ستم برداشت کرتے ہیں مگر لب پر ترانہ ہل من مزید ہے جبکہ مومنؔ میں اتنی سکت نہیں کہ وہ مزید دکھ برداشت کرسکیں۔ یہ بات رسمِ عاشقی کے خلاف سہی مگر اندازِ تغزل میں یہ شعر غالبؔ کے قطعہ سے بڑھ کر ہے۔

غالبؔ ملتی ہے خوئے یار سے نار التہاب میں
کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں

مومنؔ جلتا ہوں ہجرِ شاہد و یادِ شراب میں
شوقِ ثواب نے مجھے ڈالا عذاب میں

غالبؔ کا اندازِ تغزل دیکھیے:

ے تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر
آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں

مومنؔ کی سادگی اور صفائی ملاحظہ ہو۔

ے کھولا جو دفترِ گلہ اپنا زیاں کیا
گزری شبِ وصال ستم کے حساب میں

غالبؔ قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

مومنؔ کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں
سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں

غالبؔ میں اور حظِ وصل خدا ساز بات ہے
جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

مومنؔ نالے منہ سے جھڑتے ہیں بے گریہ آنکھ سے
اجزائے دل کا حال نہ پوچھ اضطراب میں

غالبؔ لاکھوں لگاؤ ، ایک چرانا نگاہ کا
لاکھوں بناؤ ، ایک بگڑنا عتاب میں

مومنؔ ہے منتوں کا وقت ، شکایت رہی رہی
آئے تو ہیں منانے کو وہ ، پرعتاب میں

غالبؔ ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یا رب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

مومنؔ آزردۂ حرماں سے ملاقات نبھے کیا؟
یعنی کہ نہ ملنا ہی ، نہ ملنے کی سزا ہے

یہ تو ہم قافیہ اشعار تھے اب ذرا ہم مضمون اشعار بھی ملاحظہ ہوں تا کہ دونوں کے رنگ طبیعت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

مومنؔ اس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا ، کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

غالبؔ جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار
اے کاش جانتا نہ تری راہ گزر کو میں

مومنؔ کے ہاں احترامِ عشق واجب ہے اس لئے نہ چاہتے ہوئے بھی نقشِ پا کی تلاش میں کوچۂ رقیب میں بھی سر جھکانا پڑا لیکن محبوب کی خاطر یہ بھی گوارا ہے۔ لیکن غالبؔ ''اے کاش میں تری راہ گزر نہ جانتا'' تا کہ کوچۂ رقیب میں جانے کی ذلت سے بچ جاتا۔ یعنی عشق بھی کرتے ہیں اور ذلت و رسوائی سے بھی ڈرتے ہیں۔ گویا شاہانہ مزاج اور طبیعت آڑے آ رہی ہے۔

مومنؔ کرتے ہیں اپنے زخم جگر کو رفو ہم آپ
کچھ بھی خیال جنبشِ مژگان نہیں رہا

غالبؔ پھر جمع کر رہا ہوں دلِ لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کئے ہوئے

مومنؔ ہائے رے، چھیڑ ، اس نے ، سن سن کے
حال میرا ، کہا کہ ، کیا صاحب!؟

غالبؔ تجاہل پیشگی سے مدّعا کیا؟
کہاں تک اے سراپا ناز، کیا کیا؟

مومنؔ چاہتا ہوں میں کہ مسجد میں رہوں مومنؔ ولے
کیا کروں بت خانے کی جانب کھنچا جاتا ہے دل

غالبؔ جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

مومنؔ پاتے تھے چین کب غم دوری سے گھر میں ہم
راحت وطن کی یاد کریں کیا سفر میں ہم ؟

غالبؔ تھی وطن میں شان کیا غالبؔ کہ ہو غربت میں قدر
بے تکلف ہوں وہ مشتِ خس جو گلخن میں نہیں

غالبؔ کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالبؔ
تم کو بے مہریٔ ارباب وطن یاد نہیں

مومنؔ چُھٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی
ناصح یہ بند غم نہیں قیدِ حیات ہے

غالبؔ قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

مومنؔ بدنامیوں کے ڈر سے عبث تم چلے کہ میں
ہوں تیرہ روز ، میری سحر بھی تو رات ہے

غالبؔ جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو؟

مومنؔ اس شعر میں غالبؔ سے زیادہ سہل اور آسان معلوم ہوتے ہیں جبکہ غالبؔ کا انداز گنجلک ہے۔

مومنؔ کس پہ مرتے ہو ؟ آپ پوچھتے ہیں ؟
مجھے فکرِ جواب نے مارا

غالبؔ پوچھتے ہیں وہ ، کہ غالب کون ہے ؟
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا ؟

یہاں غالبؔ کا انداز مومنؔ سے زیادہ پُرکشش اور دلچسپ ہے۔

مومنؔ رشکِ پیغام ہے عناں کشِ دل
نامہ بر راہ بر نہ ہوجائے

غالبؔ ہولئے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ
یا رب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا ؟

مومنؔ عاشق کُشی ہے شیوہ اگر بوالہوس سہی
آخر کچھ اپنی جان کے دشمن تو نہیں ہم

غالبؔ ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے
غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی

مومنؔ دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

غالبؔ وا کردیئے ہیں شوق نے بندِ نقاب حسن
غیر از نگاہ اب کوئی درمیاں نہیں

مومنؔ وہ آئے بہر عیادت تو تھا میں شادیٔ مرگ
کسی سے چارۂ بیدادِ آسماں نہ ہوا

غالبؔ بہرِ عیاد آئے وہ ، لیکن قضا کے ساتھ
دم ہی نکل گیا مرا آوازِ پا کے ساتھ

مومنؔ کیا کروں اللہ سب ہیں بے اثر
ولولہ کیا ، نالہ کیا ، فریاد کیا

اور ذرا غالبؔ کا اندازِ گفتگو ملاحظہ ہو

؎ بلائے جاں ہے غالبؔ اس کی ہر بات
عبارت کیا ، اشارت کیا ، ادا کیا ؟

ان اشعار کے مطالعہ سے ایک عام قاری کو بھی غالبؔ اور مومنؔ کے مزاج، رنگ طبیعت، پرواز تخیل، اندازِ بیان اور ندرت خیال کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔ کہیں غالبؔ کا پلّہ بھاری ہے تو کہیں مومنؔ کا۔ دونوں کے ہاں قافیہ، ردیف، بحور اور مضامین کی یکسانیت کے ساتھ ساتھ یہ قید بھی پائی جاتی ہے کہ دونوں کے کلام کو سمجھنے کے لیے دماغی کاوش اور دماغ سوزی کی ضرورت ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ غالبؔ کے ہاں مشکل الفاظ ہیں۔ مشکل خیالات ہیں اور مشکل انداز ہے۔

؎ گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے جو لفظ کے غالبؔ میرے اشعار میں آئے

اور غالبؔ کو اپنے اچھوتے انداز پر خود بھی بڑا ناز تھا

؎ ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے اندازِ بیاں اور

مومنؔ کے ہاں بھی آسان اور سادہ الفاظ کو مشکل خیال میں پیش کیا گیا ہے۔ نفسیات کے دشوار ترین مسائل کو سادہ الفاظ میں دلکش طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن تصوف کے مسائل نہ ملیں گے، کھینچ تان کر کے دو چار اشعار ہی مل پائیں گے ورنہ خیریت ہے۔ جبکہ غالبؔ بڑے فخر سے کہتے ہیں۔

؎ یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

مگر جیسا کہ اوپر بیان ہوا مومنؔ سادہ اور آسان مضمون کو بھی کیسے دبیز پردوں میں چھپا دیتے ہیں۔

مومنؔ آنکھ نہ لگنے سے سب احباب نے
آنکھ کے لگ جانے کا چرچا کیا

؎ شب جو مسجد میں جا پھنسے مومنؔ
رات کاٹی خدا خدا کر کے

؎ ترے پردے نے کی یہ پردہ دری
ترے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا

؎ غیر عیادت سے برا مانتے ہیں
قتل کیا ، آن کے ، اچھا کیا

ان اشعار میں بھی معنی کا ایک دریا چھپا ہے۔

••••